Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ہونٹ اور ناک موٹے موٹے جمبکوں کی طرح تھے۔ مگر بہت پیارا بچہ تھا۔ ماں کی طرح خوش مزاج تھا۔ کبھی اُس نے ریں ریں نہیں کی۔ دو تین مہینے کے بعد تو میری کو خبر بھی نہ ہوتی اور بچہ کبھی پہلی منزل پر اور کبھی دوسری اور تیسری پر ہم لوگوں کی گود میں ہوتا۔ اب گھر کا عجیب سماں تھا۔ میر پوری دوسری منزل پر اور حافظ آبادی پہلی پر اور ہم لوگ اِدھر اُدھر بیٹھے ہوتے۔ سب کا آپس میں میل ملاپ شروع ہو گیا تھا۔ کھانا پینا بٹتا رہتا، روز کے صلاح مشورے، مدد امداد ایک ساتھ ہوتی۔ بے وطنی میں وطن کی لذت آنے لگی تھی۔ جب میں اُس دن کے ساتھ اس گھر کا مقابلہ کرتا جس دن میں یہاں داخل ہوا تھا تو مجھے حیرت ہوتی۔ یہاں اتنا اندھیرا تھا کہ رستہ نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اب تینوں منزلوں پر کمروں میں اور سیڑھیوں پر رات تک بلب جگمگاتے رہتے تھے۔ کہتے ہیں اتفاق میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ کچھ دیر کے لیے ہم نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لیا۔

اس بسے بسائے گھر میں خرابی کا آغاز اُس وقت ہوا جب حسین شاہ نے اپنے بھتیجے کا ذکر کرنا شروع کیا۔ اُس کا بھتیجا پیچھے ملک میں تھا۔ ایک دن بار حسین شاہ نے باتوں باتوں میں کہا کہ اُس کے بھتیجے کا ملک سے خط آیا ہے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ ہم نے سمجھا کوئی ہو گا، جیسے ہم سب کے بھانجے بھتیجے پیچھے اپنے گھروں میں موجود تھے۔ مگر بات ختم نہیں ہوئی، معلوم ہوا کہ اندر ہی اندر چلتی رہی۔ چند روز کے بعد ہمیں پہلی بار حسین شاہ کے کمرے سے میری کی اونچی آواز سنائی دی۔ وہ کوئی بات کر رہی تھی جس کی ہمیں سمجھ نہیں آئی۔ اس سے پہلے ہم نے کبھی میری کی زبان سے اونچا بول نہیں سُنا تھا۔ ہمارے کان کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میری کمرے سے باہر نکلی تو اُس کے چہرے پر آزردگی تھی۔ اُس نے ہماری طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھا اور نہ ہی کوئی بات کی، بلکہ بچے کو اٹھائے اُٹھائے سیڑھیاں اُتر کر گھر سے باہر نکل گئی۔ جب سے میری آئی تھی وہ کبھی کسی کام کے بغیر گھر سے باہر نہ گئی تھی۔ یہ پہلی مرتبہ تھی کہ وہ رات کے ایسے وقت میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھر سے نکلی تھی جب سارے کام کاج بند ہو چکے تھے۔ کوئی دو گھنٹے کے بعد وہ اسی طرح بچے کو اٹھائے واپس آ گئی اور سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس دن کے بعد میری وہ نہ رہی جو وہ تھی۔ دن بدن ہم نے میری کی حالت میں ایک عجیب تبدیلی آتے ہوئے دیکھی۔

میری کی خوش دلی کی عادت میں فرق آنے لگا۔ ہوتے ہوتے اُس کے چہرے سے ہنسی اور شگفتگی کے الفاظ غایب ہو گئے۔ ہم نے کسی لڑائی جھگڑے کی آواز نہ سُنی، مگر ایک دن آیا کہ میری کی شکل ہی بدل گئی۔ اگر کوئی اُس کو ایک مہینے کی غیر حاضری کے بعد اچانک دیکھ لیتا تو شاید پہچان بھی نہ سکتا۔ اُس کے چہرے کے نقش ایسی صورت اختیار کر گئے جیسے برفوں کے موسم میں سردی سے ٹھٹھر کر ہو جاتے ہیں اور ان کے آس پاس کی جلد شکن دار ہو گئی۔ اب وہ اکثر ہم لوگوں کی واپسی سے پہلے ہی اپنا اور حسین شاہ کا کھانا پکا کر کمرے کے اندر چلی جاتی۔ ہمیں وہ کبھی کبھار ہی نظر آتی۔ کبھی برتن دھونے یا ٹائلٹ جانے کے لیے باہر آتی تو صرف ہیلو کہہ کر گزر جاتی، یا کوئی ایک آدھ بات کر لیتی۔ خریداری وغیرہ کے لیے اکیلی ہی جایا کرتی اور ہر وقت بچے کے کام نبٹاتی اُس کے ساتھ باتیں کرتی رہتی۔ حسین شاہ بھی کم ہی دکھائی دیتا۔ کام سے واپس آ کر اپنے کمرے میں بیٹھا رہتا۔ ہم باقی گھر کے لوگ اُسی طرح آپس میں ملتے جلتے رہے، مگر اب صرف پہلی اور دوسری منزل پہ ملاقات ہوتی، ہماری منزل پر کوئی نہ آتا۔ ہم کبھی میر پوریوں اور کبھی حافظ آبادیوں کے کمروں میں جا کر بیٹھتے اور آپس میں تبادلۂ خیال کرتے حسین شاہ اور میری کے معاملے میں صرف خیال آرائی ہوتی، کیوں کہ کسی کو علم نہ تھا کہ اندر ہی اندر کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ ہماری آپس کی گفتگو کم سے کم ہوتی جا رہی تھی۔ گھر میں باتوں کی آواز نہ اٹھتی۔ گھر کا سماں ایسا تھا جیسے اس کے تانے بانے پر بوجھ پڑتا جا رہا ہو اور جگہ جگہ سے اس کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو۔ ہم اب جلد ہی اُٹھ کر اوپر چلے آتے اور بتی بجھا کر سو جاتے۔ ثاقب اپنے اٹک میں لیٹا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادبی رسالے پڑھتا رہتا۔ غلام محمد نے تو ایک دو ہفتے کے بعد ادھر اُدھر جانا بالکل بند کر دیا اور دوبارہ اپنی سیٹ زندگی گزارنے لگا۔

آخر ایک دن میری کھانا پکا رہی تھی کہ ثاقب گھر واپس آ گیا۔ ثاقب وہاں رُک کر میری سے باتیں کرنے لگا۔ اُس روز میری نے وہاں کھڑے کھڑے ثاقب کو بتایا کہ قصہ کیا ہے۔ کہنے لگی، "حسین شاہ کہتا ہے میرے بھتیجے سے شادی کر لو۔ کہتا ہے اُس کا بھتیجا غریب ہے اور ایجنٹ کے پیسے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر میں اُس سے شادی کرنے پر رضامند ہو جاؤں تو وہ قانونی طور پر اس ملک میں آ سکتا ہے۔ میں کہتی ہوں یہ کوئی بات ہے؟" ثاقب نے رات کے وقت یہ بات ہمیں بتائی۔ ہم نے نیچے جا کر سب کے سامنے بات کی۔ سُن کر سب نے تعجب کیا، کہ واہ جی واہ، ایسی بات نہ کبھی دیکھی نہ سُنی۔ ہم سب نے اس معاملے میں میری کا ساتھ دیا۔ شبیر بانہ نے تو کہہ دیا کہ یہ بات اللہ اور اُس کے رسُول کے احکام کے منافی ہے کہ خونی رشتہ رکھنے والے دو آدمی ایک ہی عورت کے ساتھ تعلق قائم کریں۔ سب نے توبہ استغفار پڑھی۔ وہیں بیٹھے بیٹھے یہ فیصلہ ہوا کہ حسین شاہ کو اس بات سے باز رکھنے کے لیے کارروائی کی جائے۔ مگر کیا کیا جائے؟ طے یہ ہوا کہ شروع کرنے سے پہلے حسین شاہ سے دریافت کیا جائے کہ کیا یہ بات واقعی درست ہے؟ موقعے کی تلاش میں ایک دو دن گزر گئے۔ اسی اثنا میں کانا پھوسی کی وجہ سے حسین شاہ کو اس کی بھنک پڑ گئی۔ چنانچہ وہ خود ہی ایک دن اُٹھ کر نیچے حافظ آبادیوں کے کمرے میں آ بیٹھا۔ اُس نے جو بات بتائی وہ میری کے بیان سے بالکل مختلف تھی۔

حسین شاہ کا بیان تھا کہ یہ درست ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میری اُس کے بھتیجے سے شادی کر لے۔ مگر وہ صرف کاغذی شادی کی بات کر رہا ہے۔

"اصلی شادی کی بات کون کرتا ہے۔" حسین شاہ نے کہا۔ "میرا کوئی سر پھر گیا ہے کہ میں اپنی عورت کو اُس کے نکاح میں دے دوں۔ میری کو میں نے سمجھایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ یہ صرف دفتری کارروائی کی شادی ہو گی۔ ان لوگوں کا ایک قانون پورا کرنا ہے تاکہ لڑکا ادھر آجائے۔ بس۔ اس سے زیادہ لڑکے کا عمل دخل کوئی نہیں ہو گا۔ صورتِ حال بالکل اسی طرح رہے گی جس طرح اب ہے۔ مگر میری کی عقل اُلٹی ہے۔ اس بات کو سمجھتی ہی نہیں۔"

کچھ لوگوں نے حسین شاہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ایسا ایک کیس ہم نے پہلے سُن رکھا تھا کہ گوری عورت کو پیسے دے دلا کر کاغذی شادی ہوتی ہے اور اپنے ایک آدمی کو ادھر رہنے کا اجازت نامہ مل گیا ہے۔

"کوئی باہر سے عورت پکڑ لو یا اپنی عورت کو آگے کر دو۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" حسین شاہ نے کہا۔ "شادی تو کاغذی ہی ہے۔ کیوں جی؟"

کئی نے سر ہلا کر ہاں کی، باقی آنکھیں کھول کر دیکھتے رہے۔

"دیکھیے جی۔" حسین شاہ نے کہا۔ "ہم نے کتنی مصیبت میں زندگی گزاری ہے۔ آج تک چھپتے چھپاتے پھر رہے ہیں۔ ایجنٹ۔ پولس۔ گورنمنٹ۔ فورمین۔ ہر کوئی ہمارا مالک بنا ہوا ہے۔ اب ایک موقع ہے کہ اپنا کوئی بھائی بند آزادی سے ادھر آجائے تو کیوں نہ اس کا فائدہ اٹھایا جائے۔ مَیں چھوٹا سا رہ گیا تھا، میرے بھائی نے پال کر مجھے بڑا کیا۔ اب وہ پورا ہو گیا ہے۔ اُس کا ایک ہی بیٹا ہے۔ غریب ہے۔ ایجنٹ کے پیسے تو ایک طرف رہے، کرایہ بھی مشکل سے ادا کرے گا۔ میری کا کیا جاتا ہے۔ ایک کاغذ پہ دستخط ہی کرنے ہیں۔ ان لوگوں کا اپنا ملک ہے، اس کی بات کو کون موڑ سکتا ہے۔ لڑکا کھلی آزادی سے ادھر آجائے گا۔ بجلی کا کام سیکھا ہوا ہے، اچھے پیسے کمائے گا، ہماری بھی مدد ہو گی، اس کی بھی ہو گی۔ آخر میری کے اُوپر میرا کچھ حق بنتا ہے۔ مَیں نے گلی سے اسے اٹھا کر گھر میں لا بٹھایا ہے۔ عزت سے رکھا ہوا ہے۔ کیوں جی، میرا حق نہیں بنتا؟ اپنی جیب سے پیسے خرچ کرتا ہوں، کھانا پینا کپڑا سب، ہر طرح کا آرام ہے، ہر طرح کی مدد ہے۔ آپ سے کوئی چھپی ہوئی بات ہے؟ حرام کا بچہ اپنا بچہ سمجھ کر پال رہا ہوں۔ اسے اور کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہیے۔ کوئی اپنی عورت ہوتی تو جان سپرد کر دیتی۔ یہ کاغذ پر جھوٹے دستخط بھی نہیں کر سکتی؟ اپنے بھائی بندوں کی مدد ہمارا پہلا فرض ہے۔ ہم سب اسی غرض سے یہاں دھکے کھا رہے ہیں۔ ہماری زندگی اپنے بھائی بندوں سے ہی وابستہ ہے، آخر میں وہی کام آتے ہیں۔ ان لوگوں کا کیا ہے، بے احسانے لوگ ہیں۔ میں نے اس کے لیے کتنی قربانی کی ہے۔ دھکے کھا رہی تھی، اُٹھا کر ملکہ بنا دیا ہے۔ اس کی سب غرضیں پوری کرتا ہوں۔ کیا اس کا فرض نہیں بنتا کہ ایک مدد میری بھی کر دے؟ آپ ہمارے بھائی بند ہیں۔ آپ کی اور ہماری غرضیں ایک ہیں۔ آپ بتائیے۔ آپ میں سے کوئی میری جگہ ہو تو کیا کرے؟"

حسین شاہ کی بات سُن کر ہمارے دل سے ایک بوجھ اُتر گیا۔ بات واضح ہو گئی تھی۔ ہم سب نے اس سے اتفاق کیا۔ شیر بانو نے کہا کہ درست ہے، اپنے عزیزوں پر احسان کرنا اخلاقی اور دینی فرض ہے۔ بات تھی بھی سچی۔ ہم سب کی غرضیں اپنے گھر والوں اور بھائی بندوں سے وابستہ تھیں۔ اور حسین شاہ غلط نہیں کہتا تھا۔ میری پر اُس کا بڑا احسان تھا۔ ایک کاغذ پر دستخط کرنے سے اگر حسین شاہ کا فائدہ ہوتا تھا تو میری کا اس میں کیا جاتا تھا؟ ہم نے میری سے تو کچھ نہ کہا، مگر ثاقب سے کہہ دیا کبھی بات ہو تو میری کو سمجھا دے۔ کہ حسین شاہ جو کچھ کہتا ہے اُس میں کوئی حرج نہیں، ہمارے لوگوں کا اس میں فائدہ ہے اور خود میری کا بھی فائدہ ہے، ہمیشہ کے لیے حسین شاہ اس کا احسان مند ہو جائے گا۔ ثاقب نے اس کی حامی بھر لی۔ میری کا ویسے تو ہم سب سے ایک جیسا میل جول تھا، مگر ہمیں علم تھا کہ ثاقب کی بات کا وہ خاص خیال کرتی تھی۔

چند دن کے بعد ثاقب نے بتایا کہ اُس کی میری سے بات ہوئی ہے۔

"کیا کہتی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" ثاقب نے کہا۔ "بس مجھے دیکھتی رہی، جیسے اُس کو یقین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ آ رہا ہو۔ پھر اندر چلی گئی۔ مُنہ سے کچھ نہیں بولی۔"

اسی دوران میں حسین شاہ کے نام گورنمنٹ کے خاکی لفافوں والے دو تین خط وصول ہوئے جن کو وہ اُٹھا کر اپنے کمرے میں لے گیا۔ میری کے وطیرے میں کوئی فرق نہ آیا، بلکہ اُس کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہو گئی۔ اس نے بولنا چالنا بالکل چھوڑ دیا، جیسے اُس کی زبان گنگ ہو گئی ہو۔ کبھی باہر نکلتی تو اُس کی نظریں گود میں اپنے بچے پر لگی رہتیں، گھر کے لوگوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتی اور نہ ہیلو کہتی۔ اُس نے کام میں بھی لاپرواہی برتنی شروع کر دی تھی۔ صرف کھانا روز کا روز کسی نہ کسی طرح پکا لیا کرتی اور بچے کا دودھ دن میں دو تین بار گرم کر لیتی۔ مگر جھوٹے برتن ٹونٹی کے نیچے دو دو تین تین وقت کے پڑے رہتے اور کئی بار حسین شاہ کو دھونے پڑتے۔ گندے کپڑے پہلے وہ ہر روز یا دوسرے دن باقاعدگی سے نیچے غسل خانے میں جا کر دھویا کرتی تھی۔ اب وہ صرف اپنے بچے کے کپڑے ٹونٹی کے نیچے کھڑے ہو کر دھو لیا کرتی اور باقی کپڑوں کا ڈھیر اسی طرح پڑا رہنے دیتی۔ ہفتے میں ایک بار اس کا دل کرتا تو دھو لیتی ورنہ حسین شاہ گٹھڑی اٹھا کر لانڈری پر لے جاتا اور دھولایا کرتا۔ بچے کی پیدائش کے بعد میری نے چُغہ پہننا چھوڑ دیا تھا اور ڈریس پہننے لگی تھی۔ اب اس کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ ایک ایک ڈریس میں ہفتہ ہفتہ نکل جاتا۔ سنگار تو وہ پہلے بھی کم ہی کیا کرتی تھی، مگر اپنے بالوں کا ہمیشہ خاص خیال رکھتی تھی۔ ان کو ہر روز گرم پانی سے دھوتی اور ان میں کنگھی کیا کرتی تھی۔ اب اُس نے بالوں کا خیال کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ کئی کئی دن گزر جاتے اور اُس کے بال چپک جایا کرتے اور سپرنگوں کی طرح لٹکنے لگتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میری دنیا سے سمٹ سمٹا کر اپنے آپ کے اندر سکڑتی جا رہی ہے۔ اس کی آنکھیں میلی میلی دکھائی دینے لگی تھیں، جیسے نظر غائب ہو گئی ہو۔ حسین شاہ کبھی فرصت کے وقت میں ہمارے پاس آ کر بیٹھتا تو ذکر کرتا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ضدّی ہے۔ بات کو نہیں سمجھتی۔" وہ کہتا۔ "عورت کی عقل ہی اُلٹی ہوتی ہے۔"

میری کی حالت ہماری سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی۔ بات کی صفائی ہو چکی تھی، اندر تو اس بات کے کچھ بھی نہیں تھا، پھر میری کو کون سا اعتراض تھا۔ مگر ہم کیا کر سکتے تھے۔ خاموشی سے بیٹھے تماشا دیکھتے رہے۔ نظر آ رہا تھا کہ اُس کا تماشا ایک نہ ایک روز بننا ہے، آخر بن گیا۔ ہم کام سے واپس آئے تو حسین شاہ کے کمرے میں شور مچا ہوا تھا۔ میری چیخ چیخ کر بول رہی تھی۔ جب وہ غصے میں آ کر بولتی تھی تو معلوم ہوتا تھا کوئی دوسری ہی زبان بول رہی ہے۔ ہمیں کچھ سمجھ نہ آتی تھی۔ بیچ بیچ میں حسین شاہ کی ایک آدھ آواز سنائی دے رہی تھی۔ مگر وہ صرف شٹ اپ شٹ اپ کہتا جا رہا تھا۔ گھر میں جیسے جیسے لوگ کام سے واپس آتے جا رہے تھے اپنے کمروں میں اور سیڑھیوں پہ کھڑے ہو کر میری کا چیخنا چلانا سُن رہے تھے۔ پھر شور کے بیچ دھپ دھپ کی تین چار آوازیں بلند ہوئیں، جیسے کوئی گدّے کو جھاڑ رہا ہوتا ہے۔ میری کا چیخنا یک دم بند ہو گیا۔ ہم سب کان لگائے کھڑے رہے۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہ آ رہی تھی۔ اس عالم میں کسی کے زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ پھر آہستہ آہستہ میری کے رونے کی آواز ہمارے کان میں آنے لگی۔ ہم نے اپنی عورتوں کو چیخ پکار کرتے ہوئے سُنا ہے، مگر اس طرح روتے ہوئے ہم نے کسی کو نہیں سنا۔ یہ ایسی آواز تھی گویا کوئی اپنی جان کو گلے میں پکڑ پکڑ کر رونے کی کوشش کر رہا ہے، مگر جان نکلی جا رہی ہے۔ ہم دیر تک وہاں کھڑے میری کے رونے کو سُنتے رہے۔ پھر آواز ہلکی ہوتی ہوتی بالکل بند ہو گئی۔ چند منٹ کے بعد حسین شاہ کے کمرے کی بتی بجھ گئی۔ گھر میں خاموشی چھا گئی۔ اس وقت ہم اپنی جگہ سے ہلے اور کھانے دانے کے بندوبست میں لگ گئے۔ گھر میں رونہ کی طرح برتنوں کے بجنے کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ ہم کھانا کھا کر فارغ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو چکے تھے اور نیچے جا کر تاش کی بازی لگانے کی صلاح کر رہے تھے کہ ایک بار حسین شاہ کے کمرے کی بتی جلی اور وہ بچے کا دودھ گرم کرنے کے لیے باہر نکلا۔ دودھ گرم کر لینے کے بعد وہ اندر چلا گیا اور کچھ دیر کے بعد اس نے بتی بجھا دی۔ اُس کے بعد رات بھر کمرے سے کوئی آواز نہ آئی۔

میری تین دن تک نظر نہ آئی۔ جب وہ باہر نکلی تو بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اُس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ یہ حلقے اس وقت بھی نمایاں تھے جب وہ پہلے پہل ہمارے گھر میں آئی تھی۔ مگر چند ہی ہفتے کے اندر اچھی خوراک کھانے اور آرام کی زندگی بسر کرنے سے اُس کے گالوں کا رنگ نکل آیا تھا اور حلقے غایب ہو گئے تھے۔ اب یہ حلقے دوبارہ ظاہر ہو گئے تھے۔ مگر اب کی بار جلدی ہی اُس کی طبیعت سنبھلنی شروع ہو گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ تین دن کی غیر حاضری کے بعد جب وہ باہر آئی تو خوب سوچ سنبھل کر آئی تھی۔ ہم لوگوں کو زندگی کے حالات سے یہ سبق ملتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد امداد سے ہی دنیا میں کام چلتے ہیں، کسی سے فائدہ لو، کسی کو فائدہ دو۔ عورتوں کی سمجھ کچھ مختلف ہوتی ہے۔ مگر معلوم ہوتا تھا کہ میری کی عقل میں حسین شاہ کی بات آگئی ہے۔

چار چھ دن کے اندر میری کے مُنہ پر مسکراہٹ اور شکریے کے لفظ واپس آگئے۔ اُس کی کمزوری دن بدن رفع ہوتی گئی۔ میری نے پہلے کی طرح ہمارے ساتھ مل کر کھانا پکانا اور اُٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا۔ اُس کے چہرے کا رنگ آہستہ آہستہ نکھر آیا اور نقش اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر اس بار اُس کی آنکھوں کے حلقے اُسی طرح قائم رہے۔ گو میری کا مزاج اور اُس کے ساتھ گھر کا سماں بحال ہو گیا تھا اور میری نے اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنی شروع کر دی تھی، مگر جب تک وہ ہمارے پاس رہی اُس کی آنکھوں کے گرد سیاہی غایب نہ ہوئی۔ یہ ایک تبدیلی اُس کی شکل و صورت میں پیدا ہو گئی تھی اور گویا اس بات کی علامت تھی کہ ہر چند میری کا رویہ پہلے کا سا ہو گیا تھا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر اُس کے وطیرے میں کوئی نہ کوئی تبدیلی آچکی تھی جس کا ہمیں دل میں احساس ہوتا تھا، مگر جس کا پتا نہ چلتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ہم اس کے عادی ہوتے گئے۔ مگر اب میں اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد سوچتا ہوں تو پتا چلتا ہے کہ وہ بات جس کا ہمیں احساس ہوتا تھا وہ یہ تھی کہ میری نے اپنے دل کی ٹھان لی تھی۔

جب میری تین دن کے بعد کمرے سے باہر نکلی تو وہ اپنی مرضی لے کر نکلی تھی۔ یہی نہیں کہ اُس نے پہلا سا طور طریقہ اختیار کر لیا، بلکہ اُس سے بھی آگے نکل گئی۔ پہلے جہاں وہ صرف خوش خلقی کی حد تک رہتی تھی، اب وہ بے جھجک ہو کر بات کرنے لگی۔ حسین شاہ کی وہ حد سے زیادہ عزت کرتی آئی تھی اور جب کسی اور سے بھی بات کرتی تو درخواست کے لہجے میں بولتی اور ہر بات کے ساتھ پلیز اور تھینک یو کے الفاظ ادا کرتی تھی۔ اب وہ ہر وقت سب کے سامنے، "حسین یہ کرو، حسین وہ کرو، حسین ایسا مت کرو، حسین تم سمجھتے نہیں، کئی بار بتایا ہے، ایسا نہیں ایسا کرو،" کرتی پھرتی تھی۔ ہم لوگوں کے ساتھ وہ اکثر بے تکلفی سے نکتہ چینی کی باتیں کرنے لگی تھی۔ جیسے اُس کا جی چاہتا ویسے وہ ہمارے کاموں، ہماری عادتوں یا ہماری باتوں پہ اعتراض لگا دیتی۔ اب میں سوچتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ اُس وقت میری شاید اپنی اصل فطرت کی جانب لوٹنے لگی تھی۔ مگر اُس وقت ہمیں میری کا یہ طور طریقہ بُرا تو کیا ناگوار بھی معلوم نہ ہوا۔ اَے کاش کہ اس وقت اگر ہمیں آنے والے حالات کا علم ہوتا تو اُس برائی کی روک تھام کرتے۔ میری نے گھر کی مالکن کا دستور اختیار کر لیا تھا۔ گھر کا بکھرا ہوا تانا بانا دوبارہ یک جا ہونے لگا تھا۔ میری گھر کے اندر اور باہر آتی جاتی ہوئی سیڑھیوں کے اُوپر یا باورچی خانے میں گندگی کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتی اور اس منزل پہ رہنے والوں کو کام پہ لگا دیتی۔ یا پھر کسی کو خالی بیٹھا ہوا دیکھ کر کہتی، "چلو میرے ساتھ چل کر ہیلپ کرو، بیکار کیوں بیٹھے ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حسین شاہ بھی اس کی باتیں سُنتا اور خوشی خوشی کام کرتا پھرتا تھا۔ گھر کا سماں پلٹ آیا تھا۔ میری اب ہم لوگوں سے بے تکلفی کے ساتھ حسین شاہ کے بھتیجے ارشاد کا ذکر کرتی تھی، جیسے معمول کی بات ہو۔ اُس نے فارم وغیرہ بھر کر بھیج دیے تھے اور ہوم آفس کے ساتھ خط و کتابت ہو رہی تھی۔ ایک دن ہمارے دروازے پر پولس کا ایک باوردی سپاہی اور اُس کے ساتھ ایک بے وردی آدمی آ کھڑے ہوئے انہوں نے میری کا پتا پوچھا اور اُوپر چڑھ گئے۔ مگر اتنی ہی دیر میں میری نے ان کی آواز سن لی اور ان کے اُوپر پہنچنے سے پہلے پہلے اُس نے جلدی سے اپنے بچے کو ہمارے کمرے میں لٹا دیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میری نے اپنا کمرہ سجا رکھا تھا۔ ایک طرف پلنگ بچھا ہوا تھا اور دوسری طرف ایک میز اور دو کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک اور میز کونے میں تھی جس کے اُوپر برتن اور خوراک کے ڈبے پڑے ہوئے تھے۔ پلنگ کے ساتھ ایک چھوٹی سی سنگار میز بھی تھی جس پر شیشہ لگا تھا اور ایک بلب والا لیمپ رکھا ہوا تھا۔ سارے گھر میں صرف میری کا کمرہ تھا جس کی کھڑکی پر اُس نے پردے لٹکا رکھے تھے۔ پولس کے سپاہی کافی دیر تک کرسیوں پر بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ میری نے ان کو چائے کی ایک ایک پیالی بنا کر پیش کی۔ پوچھ گچھ ختم کر لینے کے بعد وہ دونوں اُٹھ کر چلے گئے۔ میری اُن کو نیچے تک چھوڑنے کے لیے گئی۔ بعد میں میری نے ہمیں بتایا کہ کارروائی بخیر و خوبی تمام ہو گئی ہے۔ کسی رکاوٹ کا خطرہ نہیں۔ حسین شاہ بہت خوش تھا۔ آخر چند ہفتوں کے بعد سارے کاغذات مکمل کر کے ارشاد کو بھیج دیے گئے اور اُس کی آمد کی انتظار ہونے لگی۔

ارشاد کھُلّم کھُلّے قانون کے ماتحت اِدھر آ رہا تھا، اس لیے اُس کو ہماری طرح ملکوں میں سے بسوں اور ٹرکوں میں چھُپ چھُپا کر آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ہوائی جہاز کے ذریعے آ رہا تھا۔ جس دن اُس کا ہوائی جہاز آیا حسین شاہ اور میری بس پر سوار ہو کر لندن گئے اور شام کے وقت ارشاد کو ساتھ لے کر واپس آ گئے۔ میری اُسی طرح کھُلّم کھُلّا ارشاد سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی جیسے ہر ایک سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتی تھی۔ حالانکہ ارشاد صُمٌ بکمٌ تھا۔ اس بیچارے کی زبان پر ابھی انگریزی نہیں چڑھی تھی۔ میری نے ایک دن پہلے ہمیں کھانا تیار کرنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ مَیں نے اور غلام محمد نے مل کر بڑے دھیان سے اُن کے لیے کھانا پکایا۔ وہ تینوں کھانا لے کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کھانے کے بعد وہ دروازہ بند کر کے دیر تک آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے۔ غلام محمد تو اپنے سیٹ وقت پر سو گیا، مگر مَیں اور ثاقب جاگتے رہے، کیوں کہ میری نے ہمارے کمرے میں ارشاد کا گدّا ڈلوا دیا تھا۔ تیسرا گدّا ڈالنے کے لیے غلام محمد کی برتنوں والی میز باہر نکالنی پڑی تھی، اُس کے بعد گدّا مشکل سے فرش پر فٹ آیا تھا، اس طرح سے کہ دروازہ بھی پورا نہیں کھلتا تھا، آدھا کھُل کر رُک جاتا تھا۔ مگر کام چل گیا تھا۔ آدھی رات کے وقت ان تینوں کی بات چیت ختم ہوئی تو دروازہ کھُلا اور ارشاد نکل کر ہمارے کمرے میں آگیا۔ ہمارے فرش پر چلنے کی کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔ ارشاد میرے گدّے کے اُوپر سے گزر کر اپنے گدّے پر گیا اور کمبلوں میں گھُس کر لیٹ گیا۔ ہمارا کھانا کھا کر بہت خوش ہوا تھا، کہنے لگا، "ادھر تو سب آرام ہے جی، اپنا کھانا اپنا پینا۔" مَیں نے اُسے ہر طرح کی تسلّی دی۔ سارے دن کا تھکا ہوا تھا، جلدی ہی سو گیا۔

ارشاد کی عمر پچیس چھبیس سال کی ہو گی۔ وہ لمبے قد اور کھُلے ہاتھ پاؤں والا اچھی شکل کا آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر چوڑی سیاہ مونچھیں تھیں جو نیچے کو ڈھلکی ہوئی تھیں اور سر پہ بال چھوٹے چھوٹے کٹے ہوئے تھے۔ وہ ایسے نوجوانوں میں سے تھا جو پہلی ہی نظر میں دل کو اچھے لگنے لگتے ہیں۔ اُس کا گدّا بچھاتے وقت ہمیں کافی دقت ہوئی تھی مگر اُس کو دیکھنے کے بعد اس کا احساس جاتا رہا۔ میری نے پہلے سے ہی شادی کے دفتر میں تاریخ درج کرا دی ہوئی تھی۔ تین چار دن کے بعد ہفتے کا روز آگیا۔ اُس دن کو دوپہر کے وقت ارشاد اور میری کی دفتری شادی ہو گئی۔ دفتر میں ان کے ہمراہ حسین شاہ اور ثاقب گئے۔ حسین شاہ اور ثاقب غیر قانونی ہونے کی وجہ سے سرکاری دفتر میں جانے سے گھبرا رہے تھے، مگر میری ان کو آگے لگا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے گئی۔ اُن دونوں نے گواہ کے فرائض انجام دیے۔ حسین شاہ نے اپنی جیب سے سونے کی ایک قیمتی انگوٹھی اس مقصد کے لیے خرید رکھی تھی۔ وہ انگوٹھی شادی کے وقت میری کو پہنا دی گئی۔ شادی کے دفتر سے وہ چاروں ٹیکسی پر بیٹھ کر واپس گھر آئے۔ میری نے سفید ریشمی ڈریس پہنا ہوا تھا جو اُس نے خاص اس موقعے کے لیے خریدا تھا۔ مُنہ پر اور بالوں پر اُس نے سنگار کر رکھا تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہم نے میری کو پُورے سنگار میں دیکھا تھا۔ جب وہ گھر سے روانہ ہو رہی تھی تو ہم حیرت سے ہکا بکا اُسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ جانے سے پہلے وہ بچے کو ہم لوگوں کے حوالے کر گئی تھی۔ جب وہ چاروں واپس آئے تو میری نے ہاتھ میں پھولوں کا ایک گلدستہ پکڑا ہوا تھا۔ میں اُس وقت پہلی منزل پر کھڑا تھا۔ ایک میر لوپری نے میری کا بچہ اُٹھایا ہوا تھا۔ میری اُسی طرح بے جھجک ہنس ہنس کر حسین شاہ سے اور ارشاد سے اور ثاقب سے باتیں کر رہی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی میری کی نظر میرے اُوپر پڑی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھے بغیر بازو لمبا کر کے پھولوں کا گلدستہ میرے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ میں نے گلدستہ پکڑا تو میری نے آگے جھک کر میرے گال کا بوسہ لے لیا۔ سب لوگ ہنس پڑے۔ میری ہنس کر بولی، "شادی میری ہوئی ہے اور شرما تم رہے ہو۔ دیکھو تمہارا مُنہ لال ہو گیا ہے۔" میرا مُنہ اور بھی لال ہو گیا۔ سب کو ہنسنے کا موقع مل گیا۔ میری نے بچے کو گود میں اٹھا کر اُس کا سر اور مُنہ چُوما اور سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر چلی گئی۔ حسین شاہ اور ارشاد اُس کے پیچھے پیچھے چڑھ گئے۔ ہم سب کا جی چاہ رہا تھا کہ کوئی خوشی کی رسم کی جائے۔ ایسے موقعے بار بار کہاں آتے ہیں۔ مشورے کے لیے دوسری منزل پر گئے تو شیر باز نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا اور ڈانٹ کر بولا، "تم لوگوں کا سر پھر گیا ہے؟ خوشی کس بات کی۔ چلو اپنا اپنا کام کرو۔" ہم وہاں بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اُٹھ کر اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ میری نے بھی جا کر اپنا لباس اُتار دیا تھا اور پرانا ڈریس پہن کر گھر کے کام کاج میں لگ گئی تھی۔ دو چار دن تک اُس نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہنے رکھی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر وہ بھی اُتار کر کہیں رکھ دی۔

شیر باز کی بات ٹھیک تھی۔ گھر کا سلسلہ اُسی طرح چلتا رہا جیسے پہلے چل رہا تھا، گویا کوئی بات ہی نہ ہوئی تھی۔ ارشاد ہمارے کمرے میں سوتا رہا اور حسین شاہ اور میری اپنے کمرے میں۔ البتہ ارشاد کے سارے کاغذات پُر ہو کر دفتروں میں پہنچ گئے۔ اُس نے کھُلے بندوں جا کر اپنا نوکری کا اور ڈاکٹری کا کارڈ بنوا لیا۔ اُس کے بعد وہ ہر روز نوکری دلوانے والے دفتر میں جانے لگا۔ ارشاد کا حق اب اتنا ہی بن گیا تھا جتنا گوروں کا حق تھا۔ اُس زمانے میں نوکریاں آسانی سے مل جاتی تھیں۔ ایک فیکٹری میں ارشاد ٹسٹ کے لیے گیا۔ بجلی کا کام سیکھا ہوا تھا، ٹسٹ پاس کر گیا۔ اگلے دن وہ نوکری پہ جا کھڑا ہوا اور ایک ہفتے کے اندر اندر پیسے کما کر لانے لگا۔ ارشاد کو کسی کے نیچے لگ کر نوکری کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ دن کو کام کرتا تھا اور جمعے کے جمعے اچھی تنخواہ اٹھاتا تھا۔ کبھی کبھی فورمین کے کہنے پر اوور ٹائم لگا لیتا، ورنہ ہفتہ اور اتوار دونوں دن چھٹی کرتا۔

ہم لوگوں کو بھی ارشاد کی پوزیشن پہ فخر کا احساس ہوتا تھا۔ حسین شاہ اور شیر باز کی طرح گھر میں اُس کی عزت بن گئی تھی۔ اس کے باوجود ارشاد کی فرمانبرداری میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ حسین شاہ اور میری کی وہ حد سے زیادہ عزت کرتا تھا۔ کبھی بے ضرورت اُن کے آرام میں خلل نہ ڈالتا، اور حالانکہ اُس کے کھانے پینے کا خرچہ ہمارے ساتھ شامل تھا، مگر جمعے کے جمعے اپنی تنخواہ سے کچھ پیسے حسین شاہ کو دیا کرتا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ اس طرح وہ اپنے سفر کے کرایے کے پیسے تھوڑے تھوڑے کر کے لوٹایا کرتا ہے۔ مگر بعد میں پتا چلا کہ جہاز کے پیسے ارشاد نے اپنی جیب سے ادا کیے تھے۔ حسین شاہ کو وہ ہفتے کے کچھ پیسے صرف چچا ہونے کی حیثیت سے دیا کرتا تھا۔ حسین شاہ کا کہنا تھا کہ یہ صرف پیسے بچانے کا ایک بہانہ ہے، تاکہ اس کے بھتیجے کے پیسے ضائع نہ ہوں اور وقت آنے پر ارشاد کے ہی کام آئیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ چچا بھتیجے کا رشتہ تھا، اور حسین شاہ کا ارشاد کے اُوپر بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑا احسان تھا۔ وہ جو بھی کرتا درست تھا سب کام بہرحال بخیر و خوبی چل رہے تھے۔

کاش کہ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا اور کسی کی خوشی میں کوئی رکاوٹ نہ آتی۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ کہتے ہیں بے وطنی میں قدم قدم پر ٹھوکریں لکھی ہوتی ہیں۔ یہ بات درست ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا حالات میں تبدیلی آتی گئی۔ ارشاد کو آزادی نصیب تھی۔ ہر طرف کو جا سکتا تھا، ہر کسی سے کھل کر بات کر سکتا تھا۔ ہماری طرح قید میں ہوتا تو شاید سیدھے رستے پر رہتا۔ کام پہ جاتا اور گھر واپس آتا، پیسے کماتا اور ترقی کرتا۔ قید ایک لعنت ہے، مگر بے وطنی میں اس کی بڑی خوبیاں ہیں۔ دھیان اصل بات کے اوپر رہتا ہے، بیکار باتوں کی طرف نہیں جاتا۔ قسمت کے کھبل ہیں، اب میں سوچتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ یہ آزادی ہی ارشاد کی بربادی کا باعث بنی۔ جیسے جیسے اس دُنیا میں اُس کے پیر جمتے گئے، اُس کی آنکھیں کھُلتی گئیں۔ سب سے پہلے اُس نے گھر کے باہر اپنے دوست بنائے۔ پھر بال بڑھا لیے۔ پھر وہ پب میں جانے لگا۔ پب اس ملک میں شراب خانے کا نام ہے۔ ارشاد کی تعریف میں میں ایک لفظ کہوں گا۔ شراب کی لت اس کو نہیں پڑی۔ البتہ آزادی کی لت پڑ گئی۔ ہفتے میں وہ صرف ایک دن پب میں جاتا۔ جمعے والے دن وہ اپنی تنخواہ کا پیکٹ اُٹھا کر وہاں سے سیدھا اُدھر کو چلا جاتا اور دیر سے گھر واپس آتا۔ واپسی پہ وہ حسین شاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا۔ حسین شاہ اکثر سویا ہوا ہوتا۔ وہ بڑبڑاتا ہوا اُٹھ کر دروازہ کھولتا۔ ارشاد ہنس کر بات کرتا اور رقم حسین شاہ کے ہاتھ پر رکھ دیتا۔ حسین شاہ نے ایک دو مرتبہ ارشاد کو پب جانے سے روکنے کی کوشش کی۔ ارشاد نے خاموشی سے اُس کی بات سُن لی۔ حسین شاہ نے شیر باز سے کہا کہ وہ ارشاد کو سمجھائے اور اُس کو سیدھے راستے پر لگائے۔ شیر باز نے ہمارے کمرے میں آ کر ارشاد کو شراب نوشی کی خرابیوں سے آگاہ کیا، مسئلے مسائل سُنائے اور مذہب کے احکام بتائے۔ ارشاد اگلے جہاں میں شرابیوں کی دُرگت کا بیان سُن کر ڈر گیا اور اُس نے شیر باز کے سامنے پب چھوڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دینے کا وعدہ کر لیا۔ مگر چھ دن گزرنے کے بعد وہ پھر پب میں جا پہنچا۔ آخر ایک روز حسین شاہ غصّے میں آ گیا۔ ارشاد نے جمعے کو رات کے دس بجے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو حسین شاہ دروازہ کھول کر اُس کو بُرا بھلا کہنے لگ پڑا: "دفعہ ہو جاؤ شرابی"، حسین شاہ نے غُصے میں آ کر کہا، "شراب پی کر اپنی شکل مجھے مت دکھاؤ۔ مجھے تمہارے پیسوں کی ضرورت نہیں۔" ارشاد دروازے پر کھڑا دانت نکال کر ہنستا رہا۔ اندر سے میری حسین شاہ کو مخاطب کر کے بولی: "ایک دن وہ پب جاتا ہے، کسی کو کچھ نہیں کہتا۔ کیوں اُس کی جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟" میری کو ارشاد کا ساتھ دیتے ہوئے دیکھ کر حسین شاہ کو کوئی جواب نہ سوجھا۔ وہ ٹھک سے دروازہ بند کر کے واپس چلا گیا۔ صبح سویرے اُٹھ کر اس نے ارشاد سے پیسے لے لیے۔ اُس دن کے بعد ارشاد کا قاعدہ ہو گیا کہ جمعے کی بجائے وہ ہفتے کی صبح کو حسین شاہ کے ہاتھ میں پیسے دیا کرتا۔

جمعے کی رات کو ارشاد سیدھا ہمارے کمرے میں آ جاتا اور اپنے گدے پر بیٹھ کر دیر تک میرے اور ثاقب کے ساتھ باتیں کرتا رہتا۔ جوانی کے زور میں تھا تھوڑی بہت پی لینے سے بدمست نہ ہوتا تھا۔ مگر اتنی پی لیتا تھا کہ کھُل کر باتیں کرنے لگتا۔ جیسے جیسے اُس کی ہمت بڑھتی گئی وہ حسین شاہ کے بارے میں بھی ہم سے باتیں کرنے لگ پڑا۔ پہلے مذاق مذاق میں، پھر سنجیدگی سے اپنے دل کی بات بتانے لگا۔ اکثر جلے ہوئے دل سے کہتا، "خود پلنگ پر سوتا ہے، ہمیں ادھر زمین پہ ڈال رکھا ہے۔" ثاقب دن بدن چیلوں کی طرح اُس کے پیچھے لگتا جا رہا تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا ہمیں ڈر تھا۔ ایک جمعے کو ثاقب گھر واپس نہ آیا۔ اُس رات کو ارشاد اور ثاقب دونوں اکٹھے دس گیارہ بجے گھر لوٹے۔ ثاقب کی حالت خراب تھی۔ آتے ہی وہ ٹونٹی کے نیچے جُھک گیا۔ رستے میں بھی اُلٹیاں کرتا ہوا آیا تھا۔ ایک گھنٹے تک وہ ٹونٹی کے پاس جُھکا ہوا اُلٹی پر اُلٹی کرتا رہا، آخر خالی ہوا اُس کے پیٹ سے چڑھ چڑھ کر اُس کے گلے کو بند کرنے لگی۔ میں اور ارشاد اور حسین شاہ اور میری آس پاس کھڑے اس کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سہارا دے رہے تھے۔ غلام محمد بھی تھوڑی دیر کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا پھر جا کر سو گیا۔ حسین شاہ اور میں اندر باہر آجا کر ثاقب کی اُلٹیاں بند کرنے کی راہ تلاش کر رہے تھے، مگر کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ شرابی کی اُلٹیوں کا علاج کس کے پاس ہوتا ہے۔ میری دونوں ہاتھوں سے ثاقب کی کمر کو تھام کر کھڑی تھی اور ہنستی جا رہی تھی، جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ "کوئی فکر کی بات نہیں۔" وہ کہتی جاتی تھی، "پہلی بار اسی طرح ہوتا ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔" مگر کسی کسی وقت جب ثاقب کو اُلٹی کا دھکا لگتا اور اُس کا گلا بند ہو جاتا اور آنکھیں اُبل پڑتیں تو چند سکینڈ کے لیے میری کے چہرے پر ہراسانی کے نشان ظاہر ہونے لگ جاتے۔ پھر جب ثاقب کا سانس برابر ہوتا، اور وہ کراہتے ہوئے بولتا، "ہائے میری جان بچا لو، پھر کبھی اسے مُنہ نہیں لگاؤں گا،" تو میری دوبارہ مُسکرانے اور شرارتی نظروں سے ارشاد کی طرف دیکھنے اور تسلیاں دینے لگتی، جیسے یہ کوئی کھیل ہو۔ حسین شاہ بار بار غصے میں آکر ارشاد کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ "تمہیں کوئی حیا نہیں مردود، اپنے ساتھ اس بچے کو بھی خراب کر رہے ہو۔ مجھے خبر ہوتی کہ تم یہ کرتوت کرو گے تو تمہیں اِدھر کا رستہ بھی نہ دکھاتا۔" میری بار بار حسین شاہ کو چُپ رہنے کی تنبیہہ کر رہی تھی۔ میری کی بات درست نکلی۔ آہستہ آہستہ ثاقب کے ہوکے بند ہو گئے۔ اس رات کو جب ہم نے ثاقب کو سہارا دے کر اٹک میں چڑھایا تو نیم بیہوشی کی حالت میں اُس نے شراب نوشی سے توبہ کر لی۔

مگر شرابی کی توبہ کتنے دن تک چلتی ہے۔ سارا ہفتہ میں اور غلام محمد اور حسین شاہ اور شیر باز ثاقب کو سمجھاتے رہے۔ لیکن اگلے جمعے کو وہ پھر ارشاد کے ساتھ پب میں جا نکلا اور رات کو واپس آیا۔ اس دن سے ارشاد اور ثاقب کی جوڑی بن گئی۔ ارشاد قانونی تھا، اُسے کوئی فکر فاقہ نہیں تھا۔ مگر ثاقب غیر قانونی تھا۔ ہمیں ہر وقت اُس کی فکر لگی رہتی تھی خاص طور پر کسی کسی جمعے کی رات کو جب وہ ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر اُونچی آواز میں گاتے ہوئے واپس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنے اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتے تو ہمارے دل میں بہت خدشہ پیدا ہوتا۔ مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ہمارا خدشہ کم ہوتا گیا۔ ہم نے اُن کا نام پپ کی جوڑی رکھ دیا۔ ارشاد نے اب پر پُرزے نکالنے شروع کر دیے تھے۔ پہلے پہل وہ حسین شاہ کی حد سے زیادہ عزت کرتا تھا۔ کبھی بن بلائے ان کے کمرے میں نہیں جاتا تھا۔ اب وہ وقت بے وقت میری کے پاس اُس کے کمرے میں آنے جانے لگا۔ مَیں سمجھتا ہوں اس میں ارشاد کا قصور نہیں تھا۔ میری نے سراسر اُس کی ہمت بڑھائی تھی۔ عورت جب اپنی کرنی پر آجائے تو مرد کیا کر سکتا ہے؟ اس کا ثبوت اُس وقت ملا جب میری ایک روز شام کو گھر سے غایب نظر آئی۔ جمعے کا دن تھا۔ حسین شاہ کام سے واپس آیا تو پوچھنے لگا میری کہاں ہے، مگر کسی کو میری کی خبر نہیں تھی۔ بچہ دوسری منزل پر حافظ آبادیوں کے پاس تھا۔ حسین شاہ نے نیچے جا کر بچے کو اٹھا لیا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ حسین شاہ کی نظریں دروازے پر لگی تھیں، مگر میری کا پتا نہ تھا۔ حسین شاہ بچے کو اٹھا کر تینوں منزلوں پر لوگوں سے باتیں کرتا پھرا۔ اس کے بعد وہ جا کر اپنے کمرے میں بیٹھ گیا۔ میری اُس کا کھانا پکا کر رکھ گئی تھی، مگر حسین شاہ نے کھانے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ بس اپنے کمرے میں بیٹھا رہا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل کر سیڑھیوں کے اُوپر اُوپر پھرنے لگتا، ٹائلٹ میں جاتا، سیڑھیوں کے جنگلے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو جاتا، پھر واپس چلا جاتا۔ یہ پہلی بار تھی کہ ہم نے حسین شاہ کو سخت گھبراہٹ کی حالت میں دیکھا تھا۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑی ہوئی تھیں۔ آخر تھک کر اُس نے وضو کیا اور نماز کی نیت کر لی۔ مگر روزمرہ کی نسبت آدھے وقت میں نماز سے فارغ ہو بیٹھا۔ نماز کے بعد وہ باہر نہیں نکلا۔ اُس نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا اور خاموشی سے اندر بیٹھ گیا۔

رات کو دس بجے کے بعد ارشاد اور ثاقب کے ہمراہ میری گھر واپس آئی۔ ہم لوگوں کو اس بات کا شک تھوڑا بہت پہلے سے ہی تھا۔ اُن تینوں کو اکٹھا واپس آتے دیکھ کر یقین میں تبدیل ہو گیا۔ ان کی آواز سنتے ہی حسین شاہ نے تیر کی طرح اٹھ کر دروازہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھولا اور جا کر سیڑھیوں پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر تغیر پھیلا ہوا تھا۔ میں نے سوچا اب کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ میں اکیلا اپنے کمرے میں بیٹھا جاگ رہا تھا۔ حسین شاہ کو باہر نکلتے ہوئے دیکھ کر میں نے جلدی سے اپنے کمرے کی بتی بجھا دی، تاکہ جو کچھ ہونے والا تھا باہر ہی باہر ہو جائے۔ میری، ارشاد اور ثاقب سیڑھیاں چڑھتے ہوئے آ رہے تھے۔ ارشاد اور ثاقب خاموش تھے، مگر میری ہنستی ہوئی آواز میں ان سے بات کر رہی تھی، جیسے اُس کو کوئی فکر نہ ہو۔ جب وہ اُوپر پہنچی تو خوش مزاجی سے بولی، "ہیلو" حسین شاہ آنکھیں کھولے اس کو دیکھتا رہا، جیسے اس کو یقین نہ آ رہا ہو کہ میری اس کے سامنے کھڑی ہے اور ہنس کر بول رہی ہے۔ "تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟" میری نے کہا، اور حسین شاہ کے پاس کھڑی ہو گئی۔ ہمارا دروازہ آدھا کھلا تھا اور میں اندھیرے میں بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے حسین شاہ کا رنگ بدل گیا۔ اس کے چہرے سے تغیر رفع ہو گیا۔ میری نے اُچک کر حسین شاہ کے گال کا بوسہ لے لیا۔ پھر اُس نے حسین شاہ کی کمر میں اپنا بازو ڈالا اور اسے کمرے میں لے گئی۔ میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ہنگامہ ٹل گیا ہے، میرا خوف بے بنیاد نکلا۔ میں اپنے گدّے پر لیٹ گیا۔ ثاقب سیڑھی لگا کر اپنے اٹک میں جا چڑھا۔ ارشاد ہمارے کمرے میں داخل ہوا اور اندھیرے میں میرے اُوپر سے گزر کر اپنے گدّے پر پہنچا اور کمبل لپیٹ کر سو گیا۔ میں اُس کے خراٹوں کی انتظار کرنے لگا۔ جب وہ پی کر آتا تو بلا ناغہ خراٹے لیتا تھا۔ ہر روز تو ہم کو غلام محمد کے خراٹوں سے سابقہ پڑتا تھا، اور ارشاد بھی اس بارے میں بڑبڑ کیا کرتا تھا۔ مگر جمعے کی رات کو مجھے ان دونوں کے خراٹے سہنے پڑتے تھے۔ باہر میری حسین شاہ کا کھانا گرم کر رہی تھی۔ گرم کر کے اندر لے گئی تو حسین شاہ نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد اُن کے کمرے کا دروازہ بند ہو گیا۔ مگر بتی نہ بجھی۔ اس وقت پہلی بار حسین شاہ کی باتوں کی آواز آنی شروع ہوئی۔ وہ دھیمی آواز میں ٹھہر ٹھہر کر باتیں کرنے لگا۔ باتوں کی سمجھ نہ آ رہی تھی، مگر آواز سنائی دے رہی تھی۔ کافی دیر تک وہ اُسی طرح بولتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا، جیسے ہولے ہولے سرزنش کر رہا ہو۔ میری کی طرف سے خاموشی رہی۔ آخر میں میری کی صرف ایک آواز سنائی دی، تیز اور اونچی اور غصے والی۔ پتا نہیں اُس نے کیا بات کی، مگر اس کے بعد کسی کی آواز نہ آئی، نہ حسین شاہ کی نہ میری کی۔ جلد ہی وہ بتی بجھا کر سو گئے۔ مَیں اپنے گدّے پر لیٹا ہوا تھا اور ارشاد اور غلام محمد کے خراٹوں کے شور میں سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیٹے لیٹے مجھے خیال آیا کہ آج ہم خطرے کے ایک اور مقام سے گزر گئے ہیں، یہ سلسلہ اب بخیر و عافیت چلتا رہے گا۔ اُس وقت اس خیال سے میرے دل کو اطمینان نصیب ہوا، اور مَیں جلد ہی سو گیا۔ اب سوچتا ہوں تو اپنے خیالوں پر ہنسی آتی ہے۔ اطمینان کی دُنیا میں کیا وُقعت ہے۔ مگر وہ زمانہ ہی ایسا تھا۔ زندگی ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے تک عافیت سے چلتی جاتی تو اطمینان نصیب ہوتا تھا۔ ایک ایک رات ایک ایک مرحلہ تھی۔ رات گزر جاتی تو ایک مرحلہ طے ہو جاتا۔ مَیں کہتا ہوں ایسا وقت کسی کے حق میں نہیں لکھا جانا چاہیے۔ مگر آدمیوں کی زندگی اسی طرح بنی ہے۔ جن دنوں کی میں بات کر رہا ہوں ان دنوں میں بہر حال کچھ عرصے تک ہماری زندگی آرام سے چلتی رہی۔

اگلے روز ہفتے کا دن تھا۔ حسین شاہ نے خاموشی کے ساتھ ارشاد سے پیسے وصول کر لیے۔ میری اور ارشاد کا ربط آپس میں بڑھتا گیا۔ ثاقب بھی ان میں شامل تھا، مگر میری کا اصل رجحان ارشاد کی جانب تھا۔ وہ اندر باہر ارشاد ارشاد کرتی پھرتی تھی۔ ایک دن سُنا کہ ارشاد کو رات کی شفٹ مل گئی ہے۔ اب وہ رات کو کام پہ جاتا اور سارا دن گھر پہ میری کے پاس رہتا۔ حسین شاہ نے جب یہ دیکھا تو اس نے بھی کوشش کر کے رات کی شفٹ لے لی۔ ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ارشاد دوبارہ دن کی شفٹ پہ آ گیا۔ حسین شاہ اور ارشاد میں اب اندر ہی اندر شفٹوں کی دوڑ لگ گئی۔ حسین شاہ نے ایک بار پھر مِل جُل کر کوشش کی اور دن کی شفٹ لے لی۔

حسین شاہ کی اپنے فورمین سے خوب بنتی تھی۔ کرسمس کے موقعے پہ حسین شاہ نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہسکی کی ایک بوتل خرید کر دی تھی، اور دونوں عیدوں پر دیسی مٹھائی اور پھل کی ڈالی پیش کی تھی۔ پہلے ہم نے سن رکھا تھا کہ گورے لوگ ایسی چیزیں قبول نہیں کرتے۔ مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ خیال غلط تھا، ادھر سب کچھ چلتا تھا۔ مگر اس کے باوجود گوروں میں ایک بات تھی۔ یہ گن کی قدر کرتے تھے۔ ارشاد کے ہاتھ میں جو گن تھا اس کے مقابلے میں حسین شاہ کی زیادہ دیر تک نہ چل سکی۔ اب تو اس ملک کی حالت بد سے بدتر ہو گئی ہے۔ مگر اس زمانے میں کاریگروں کو کام کی کمی نہ تھی۔ ہر جگہ پر اُن کی قدر ہوتی تھی اور ان کی بات مانی جاتی تھی۔ جب تیسری بار ارشاد نے تبدیلی کروا کے رات کی شفٹ لے لی تو حسین شاہ دن کی شفٹ میں اٹک کر رہ گیا۔ اسی اثنا میں جو چار چھ ہفتے گزرے اُن میں ارشاد کو میری سے مزید رابطہ پیدا کرنے کا موقع مل گیا۔ حسین شاہ کام پر جاتا تو ارشاد اکثر گھر پر موجود ہوتا۔ وہ کئی کئی گھنٹے میری کے کمرے میں اس سے گپیں مارتے اور اس کے کام کرنے میں گزارتا۔ آخر جب شفٹوں کا جھنجھٹ بیچ سے نکل گیا تو یہ سلسلہ طے ہوا۔ اب ان کا دروازہ بند ہونا شروع ہو گیا۔ حسین شاہ دن کو کام پر جاتا اور رات کو گھر پر سوتا۔ ارشاد رات کو کام پر جاتا اور سارا دن گھر پر گزارتا۔ ارشاد کا پروگرام اب سیٹ ہو گیا تھا۔ وہ صبح سویرے کام سے واپس آتا تو حسین شاہ جا چکا ہوتا۔ ارشاد کے آتے ہی میری اُٹھ کر اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرنے لگتی۔ ارشاد بچے سے کھیلتا رہتا۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر وہ دونوں بیٹھ کر آپس میں باتیں کرتے اور بچے کے سونے کا انتظار کرتے رہتے۔ جب بچہ کھیل کھال کر اور دودھ وغیرہ پی کر دوبارہ سو جاتا تو ساتھ ہی ارشاد اور میری کمرے کا دروازہ بند کر خود بھی سو جاتے۔ پھر نیند سے وہ دوپہر کے بعد اُٹھتے۔ ان کا دروازہ کھُل جاتا اور پھر دن کا کام کاج شروع ہو جاتا۔ پانچ بجے کے بعد ثاقب کام سے واپس آتا اور ان کے ساتھ شامل ہو جاتا۔ اگر وہ خود ان کے کمرے میں نہ جاتا تو میری اس کو آواز دے کر بلا لیتی۔ چھ بجے کے بعد ارشاد تیار ہوتا اور ڈبے میں اپنا کھانا بند کر کے کام پر روانہ ہو جاتا۔ اُس کے جانے کے بعد میری حسین شاہ کے کھانے دانے کا بندوبست کرنے لگ جاتی۔ آٹھ بجے کے بعد حسین شاہ آپہنچتا۔ کام معمول کے مطابق چلتا رہا۔ ہمارے دن اس